۱۴

(فرمودہ ۲ جولائی ۱۹۲۵ء بمقام باغ حضرت مسیح موعودؑ قادیان)

"آج کا دن ہمارے لئے جہاں اور بہت سے سبق پیش کرتا ہے وہاں اس دن آئندہ نسلوں کے متعلق بھی عظیم الشان سبق ہے۔ اگر اس عید کے سبق کو ہماری جماعت یا کوئی جماعت بھی پوری طرح یاد رکھے، تو وہ کبھی تباہ اور برباد نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت تباہی کا موجب یہ امر ہوتا ہے کہ کوئی شخص یا کوئی جماعت اپنی عزت کو، اپنے وقار کو، اپنی روحانیت کو قائم رکھنے کے لئے کوئی اپنا قائم مقام نہیں چھوڑتی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں دنیا کی ہر ایک چیز تباہ ہو رہی ہے اور اگر کسی جنس کے افراد اپنی تباہی کے بعد کوئی اپنا قائم مقام نہ چھوڑیں تو اس جنس کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے۔

ہر ایک چیز ایک حد تک پہنچکر پھر اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ اس کا قیام اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے قائم مقام چھوڑ کر اپنی جنس کو قائم رکھے۔ انسان مرتے ہیں اگر وہ اپنی اولاد کو اپنا قائم مقام نہ چھوڑ جائیں تو آئندہ انسانی نسل کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے۔ درخت اگتے ہیں، پھل لاتے ہیں، پھر سوکھ جاتے ہیں۔ اگر نئے درخت ان کی جگہ نہ لیں اور ان کے قائم مقام نہ بنیں تو ان درختوں کا بالکل وجود ہی مٹ جائے۔ غرض ہر ایک چیز ہم دیکھتے ہیں کہ تباہ ہو رہی ہے۔ اور وہ اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی جب تک کہ وہ اپنا قائم مقام نہ چھوڑ جائے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ بغیر اپنا قائم مقام چھوڑے موجودہ حالت کے ساتھ دنیا میں قائم رہ سکتا ہے تو یہ ایک غلط خیال ہوگا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے جب آپؐ اپنے اس وجود کے ساتھ دنیا میں نہیں رہے اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپؐ نے وفات پائی تو اور کون شخص کہہ سکتا ہے کہ میں موجودہ حالت کے ساتھ اپنے وجود میں قائم رہ سکتا ہوں۔ لوگوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو انیس سو سال سے آسمان پر زندہ سمجھ رکھا تھا۔ مگر ان کے متعلق بھی اس زمانہ کے مرسل اور مامور نے ثابت کر دیا کہ فوت ہو چکے ہیں زندہ نہیں۔ پس اگر انبیاء بھی اپنے قائم مقاموں کے بغیر اپنے سلسلہ کو قائم نہیں رکھ سکتے تو پھر ہم اپنے قائم مقاموں کے بغیر اپنی جماعت کو کس طرح قائم رکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہو کہ موجودہ حالت کے ساتھ ہی انسان یا کوئی دوسرا وجود دنیا میں قائم رہ سکتا ہے تو پھر اس بات کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے کہ ایک انسان مرے

اور اس کا بچہ اس کا قائم مقام ہو یا ایک درخت تباہ ہو اور دوسرا درخت اس کا قائم مقام قرار پائے۔ یہ اسی لئے ہوتا ہے کہ کوئی وجود ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتا۔ اور ہر ایک نوع کا قیام اس کی جنس کے قیام کے ساتھ وابستہ ہے۔ آم کا درخت فنا ہوتا ہے مگر چونکہ اس کے قائم مقام اور آم کے درخت پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے وہ اپنی نوع میں فنا نہیں ہوتا۔ اسی طرح سنگترہ کی جگہ سنگترہ گیہوں کی جگہ گیہوں، چاولوں کی جگہ چاول پیدا ہو جاتے ہیں اور اس طرح ان کا وجود دنیا میں قائم رہتا ہے کیونکہ جب جنس قائم رہتی ہے تو گویا وجود ہی قائم رہتا ہے۔

کسی استاد کے مرنے پر اس کے لائق اور ہوشیار شاگرد کی موجودگی میں کہا جاتا ہے کہ جس استاد کا ایسا لائق اور ہوشیار شاگرد موجود ہو وہ نہیں مرا۔ اسی طرح جو جماعت کہ دین اور روحانیت کی حامل ہو اگر اپنے پیچھے ایسی نسلیں چھوڑ جائے جو دین کی اور روحانیت کی حامل ہو۔ تو وہ جماعت بھی زندہ جماعت ہوتی ہے اور ایسی جماعت یا قوم کبھی نہیں مرتی۔

پس اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور احمدیت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف یہی طریق ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو عید کے اس دن سے جو سبق حاصل ہوتا ہے وہ یاد کرائیں اس عید سے جو ہمیں سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ عید ہمیں ایک پرانا واقعہ یاد دلاتی ہے جو ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ وہ واقعہ ہمیں یہ سبق سکھاتا ہے کہ ہماری جماعت کس طرح قائم رہ سکتی ہے اور ہماری آئندہ نسلیں کس طرح ترقی کر سکتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے رؤیا اور الہام میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا اور جدائی کی چھری اس کی گردن پر پھیر دی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہوں نے اپنی بیوی اور بچے کو ایسے جنگل بیابان میں چھوڑ دیا جہاں نہ غلہ تھا نہ پانی۔ نہ کوئی بازار تھا نہ آبادی کہ کسی آدمی سے مانگ کر ہی کچھ کھانے پینے کو میسر آ سکتا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ سے الہام پا کر اپنے بچے اور اس کی ماں کو مکہ مکرمہ کی زمین میں جو اس وقت بالکل غیر آباد وادی تھی صرف ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلی کھجوروں کی دے کر چھوڑ آئے تھے جب آپ واپس آنے لگے تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا آپ کہاں چلے ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام وفورِ غم کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضرت ہاجرہ نے پھر دریافت کیا اس جنگل میں آپ ہمیں کہاں چھوڑ چلے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام زبان سے پھر بھی کچھ جواب نہ دے سکے۔ آخر ان کے متواتر پوچھنے پر اشارہ سے انہوں نے یہ جواب دیا کہ خدا کے حکم سے میں تم کو یہاں چھوڑ چلا ہوں۔ تب حضرت ہاجرہ نے کہا کہ اگر خدا کے حکم سے آپ ہمیں یہاں چھوڑ چلے ہیں تو پھر ہمیں آپ کی حفاظت کی ضرورت

نہیں۔ آپ بے شک جائیں۔ خدا خود ہماری حفاظت کرے گا اور وہ ہم کو ضائع نہیں ہونے دیگا اور تسلی سے واپس آگئیں۔ اور اپنے بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس جو اس وقت چھ سات برس کی عمر سے زیادہ کے نہ تھے بیٹھ گئیں۔ اس وقت اگر وہ چاہتیں تو کسی آبادی کی طرف رُخ کر لیتیں مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کا احترام کیا اور اسی کے توکل اور بھروسہ پر اس جنگل بیابان کی رہائش منظور کر لی جہاں نہ کوئی آبادی تھی نہ بازار، نہ کوئی کنواں تھا نہ تالاب۔ آخر پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی کیا ہوتی ہے۔ تھوڑے عرصہ میں پانی بھی ختم ہو گیا اور کھجوریں بھی ختم ہو گئیں۔ حضرت ہاجرہ کو بھی گو تکلیف تھی مگر بچے کی تکلیف کو دیکھکر وہ بہت بے قرار ہو گئیں اور صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دَوڑنا اور اوپر چڑھکر دیکھنا شروع کیا تا شاید کوئی آتا جاتا قافلہ ہی نظر آجائے جس سے پانی لے کر بچے کو پلائیں اور خود بھی پئیں۔ جب وہ صفا پر یا مروہ پر چڑھتیں تو ساتھ ہی چلّا کر ہر دفعہ یہ بھی کہتیں کہ کوئی خدا کا بندہ ہے جو ہمیں پانی دے؟ اور ساتھ ہی بچے کی حالت کو دیکھکر اور بھی پریشان ہو جاتیں۔ جب ان کی گھبراہٹ انتہا کو پہنچ گئی تو خدا کے فرشتے نے ان کو بشارت دی کہ اے ہاجرہ! گھبرا نہیں۔ جا تیرے بچے کا سامان خدا نے کر دیا ہے۔ چنانچہ جب وہ بچے کے پاس آئیں تو دیکھا کہ خدا نے وہاں پانی کا چشمہ پیدا کر دیا ہے جو آجتک قائم ہے اور زمزم کہلاتا ہے انہوں نے بچے کو پانی پلایا اور خود بھی پیا۔ آہستہ آہستہ وہاں آبادی ہو گئی۔ کوئی قافلے والے جو وہاں سے گذرے تو انہوں نے تجارتی ترقی کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ اس چشمے پر پڑاؤ قائم کیا جائے جہاں قافلے آکر ٹھہرا کریں۔ چنانچہ اسی خیال سے وہ اپنے کچھ آدمی اس چشمہ پر چھوڑ گئے کہ اس سے ہماری تجارت میں ترقی ہوگی۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے نتیجہ میں وہاں بہت بڑی آبادی ہو گئی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور اس تعلق اور محبت کی کچھ پرواہ نہ کی جو اُن کو اپنے بچے سے تھی۔ کیونکہ طبعی طور پر بڑھاپے میں جا کر جو اولاد ہوتی ہے اس سے انسان کو بہت محبت ہوتی ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑھاپے میں آپ کے ہاں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ان کی نہایت گہری اور شدید محبت تھی مگر خدا کے لئے انہوں نے اس کو قربان کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو الہام ہوا کہ اے ابراہیم! آسمان کی طرف دیکھ۔ کیا تو آسمان کے ان ستاروں کو گن سکتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یہ میری طاقت سے باہر ہے کہ مَیں آسمان کے ستاروں کو گن سکوں تب خدا نے فرمایا۔ اے ابراہیم! مَیں نے تیری قربانی کو دیکھا۔ اب مَیں تیری اس قربانی کے بدلے

تیری اولاد کو اس قدر بڑھاؤں گا کہ جس طرح آسمان کے ستاروں کو کوئی گن نہیں سکتا۔ اسی طرح تیری اولاد کو بھی کوئی گن نہیں سکے گا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں اس وعدہ الٰہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اتنی کثرت حاصل ہوئی ہے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کونسی قوم ان کی اولاد میں سے نہیں۔ تمام دنیا کے لوگوں میں ان کا خون مل گیا ہے اور تمام دنیا ان کی ممنون ہے۔ سینکڑوں قومیں ہیں جو ان کی اولاد میں سے ہونے کی مدعی ہیں۔ زرتشتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہودیوں کا تو دعویٰ ہی ہے کہ وہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ عیسائی بھی انہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ اور مسلمان بھی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آپ کی نسل میں سے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ان کی اس قربانی کے بدلے ان کی اولاد کو تعداد کے لحاظ سے اور عزت کے لحاظ سے اس قدر بڑھایا کہ تمام بڑے بڑے مذاہب انہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور ان کی بہت بڑی عزت کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی اپنی اولاد کو بڑھانا چاہے تو وہ بچپن میں اپنی اولاد کو اسی طرح قربان کرے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کو قربان کیا۔ اور صرف انہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہی قربانی نہیں کی بلکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بھی قربانی کی جن کی ایسی تربیت کی کہ بڑے ہو کر وہ بھی خدا تعالیٰ کے نبی ہوئے اور یہ صاف بات ہے کہ جتنا بڑا کوئی انسان بنتا ہے اتنی ہی زیادہ اسے اس مرتبہ تک پہنچنے کے لئے قربانی کرنی پڑتی ہے۔ پس حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں کے متعلق قربانی کی۔ خدا تعالےٰ نے اس قربانی کے بدلے ان کی اولاد کو بے نظیر ترقی دی۔ اگر تم بھی چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد ترقی کرے تو تم بھی اپنی اولاد کو قربان کرو۔ اس سے ایسی محبت نہ کرو جو تم کو ان کی اصلاح اور علوم کے سکھانے سے باز رکھے اور تم ان کی نگرانی چھوڑ دو۔ اگر تمہیں یہ خواہش ہے کہ تمہاری نسل بڑھے اور ترقی کرے تو بجائے ان کے آرام اور آسائش کی فکر کے ان کی روحانی تربیت کرنی چاہیئے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد بھی اسی طرح ترقی کرے اور آسمان کے ستاروں کی طرح گنی نہ جائے تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کو بچپن میں آوارہ، آرام طلب، کاہل اور سُست نہ بنائیں۔ بلکہ ان کے اعمال اور اخلاق کی پوری پوری نگرانی کریں۔

خیال کرو! حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بچپن کی زندگی کس طرح گذری اور انہوں نے کس قدر مشقت اٹھائی۔ انہیں تو خوراک حاصل کرنے کیلئے بھی جنگلوں میں پھرنا اور شکار کر کے پیٹ پالنا پڑتا تھا۔ شکار بندھے ہوئے جانوروں کا تو کیا نہیں جاتا کہ گئے اور پکڑ کر لے آئے۔

آج کل جبکہ بندوقیں ہیں بہت دفعہ لوگ شکار کو جاتے ہیں۔ اور خالی ہاتھ واپس آجاتے ہیں لیکن اس زمانہ میں تو تیر اور نیزے کے ساتھ شکار کیا جاتا تھا۔ اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ کتنی دفعہ ان کو خالی ہاتھ واپس آنا پڑتا ہوگا اور کتنے فاقے کاٹنے ہوں گے۔ مگر یہ سب کچھ انہوں نے خدا کے لئے برداشت کیا۔ اور خدا نے ان کو نبوت کے مرتبے پر پہنچایا۔ انہی کی قربانیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کی نسل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے اولوالعزم رسول پیدا ہوئے۔

پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی کتنی مشقت اٹھائی۔ ابھی آپؐ ماں کے پیٹ میں ہی تھے، آپؐ کے والد فوت ہو گئے[5]۔ پھر ابھی اڑھائی سال کے تھے کہ والدہ کا سایہ بھی آپؐ کے سر سے اُٹھ گیا[6]۔ پھر دادا پرورش کرنے لگے۔ لیکن ابھی آپؐ سات ہی برس کے تھے کہ وہ بھی رحلت کر گئے[7]۔ پھر چچا آپؐ کے متکفل ہوئے[8]۔ غرض آپؐ کی یہ زندگی آرام سے نہیں گذری قسم قسم کی تکلیفوں اور مشقتوں میں سے آپؐ کا گذر ہوتا رہا۔ تاریخ میں لکھا ہے آپؐ کی چچی جس وقت بچوں میں کوئی چیز تقسیم کرنے لگتی تو سب بچے اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الگ کونے میں خاموش بیٹھے رہتے جب سب بچے لے چکتے تو پھر وہ ان کو بھی حصہ دیتیں[9]۔ گو وہ محبت سے آپؐ کی پرورش کرتی تھیں اور آپ کو عزیز رکھتی تھیں۔ مگر جو خوشی بچے کو اپنے گھر میں ہو سکتی ہے وہ دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو تعلق بچے کو اپنے ماں باپ سے ہوتا ہے اور جو ناز وہ ان پر کرتا ہے۔ خواہ دوسرا کتنی بھی محبت کرے بچہ اس سے نہیں کر سکتا۔ بے شک یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وقار کی وجہ سے خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ مگر یہ بات بھی تو ہے کہ آپؐ اس بات کو بھی طبعًا محسوس کرتے تھے کہ ان کا رشتہ وہ رشتہ نہیں جو ماں باپ کا ہوتا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو بھی خدا تعالیٰ نے بامشقت بنانے کے لئے اس قسم کے سامان پیدا کر دیئے جن میں سے آپ کو گذرنا پڑا۔

مَیں اپنی زندگی پر بھی غور کرتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ جو اب غیر مبائع ہو گئے ہیں۔ میرے لئے رحمت کا موجب بن گئے۔ اگر یہ لوگ میرے خلاف نہ اٹھتے اور ہمارے خاندان کو بُرا بھلا نہ کہتے تو میری توجہ روحانی امور کی طرف اتنی چھوٹی عمر میں نہ پھرتی۔ تو ان کا وجود بھی میرے لئے روحانی ترقی کا سامان بن گیا۔

مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ اور اس عید سے سبق سیکھے۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ سُکھ حاصل ہو۔ اور آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کی عیدیں ختم نہ ہوں تو آپ اپنے بچوں کو قربان کریں۔ اور ان کو دنیا کی ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کی عادت ڈالیں۔ تاکہ وہ دین اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لئے کسی

تکلیف اور مشقت سے خوف نہ کھائیں۔ اگر اس عید سے آپ لوگ یہ سبق سیکھ لیں تو آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کی عیدیں ختم نہ ہوں گی۔

مجھے افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ اس معاملہ میں ہماری آئندہ نسل میں بہت بڑی کمزوری پائی جاتی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ بعض افراد کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہے۔ بچوں کی بڑے ہو کر خود بخود اصلاح ہو جائے گی۔ ان کا بچہ اگر کوئی غلطی کرتا ہے۔ تو وہ کہہ دیتے ہیں۔ خیر بچہ ہے بڑا ہو کر سمجھ جائے گا۔ یہ ایک ایسا ناقص اور پاجی خیال ہے کہ اس سے بڑھکر اور کوئی غلط خیال نہیں ہوسکتا اور پھر یہ خیال ان کے دل میں ایسی جڑھ پکڑ گیا ہے کہ نکلنے میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر ہمیں اپنی اولاد پیاری ہوسکتی ہے۔ آپ کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اور یہ ایک طبعی امر ہے کہ جب کسی کی اپنی نرینہ اولاد نہ ہو تو اس کو اپنے نواسوں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ پس ایک تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس لئے طبعًا آپؐ کو اپنے نواسے بہت پیارے تھے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ وہ، حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھے جو آپؐ کو بہت پیاری تھیں پھر اس لئے بھی کہ وہ حضرت علیؓ کے بچے تھے جو آپؐ کو بہت عزیز تھے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن کے زمانہ میں جبکہ قریبی سے قریبی رشتہ داروں نے بھی آپؐ کا ساتھ دینے کی جرأت نہ کی، آپؐ کا ساتھ دیا تھا۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ حضرت علیؓ کے والد ابو طالب نے آپؐ سے عمدہ سلوک کیا تھا۔

شروع شروع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام رشتہ داروں کو جمع کیا اور فرمایا۔ مجھے خدا نے مامور بنایا ہے اور دنیا کی اصلاح کے لئے اس نے مجھے چُنا ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس بوجھ کو اٹھانے میں میرے ساتھ شامل ہو۔ اگرچہ کئی رشتہ دار آپؐ کو سچا یقین کرتے تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جھوٹ نہیں بولتے مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کا ساتھ دینے کی حامی بھر سکے۔ آپؐ کے کئی چچے تھے جو آپؐ کو سچا اور راستباز یقین کرتے تھے مگر ان مشکلات اور مخالفتوں کی وجہ سے جو آپؐ کا ساتھ دینے میں پیش آنیوالی تھیں خاموش رہے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت گیارہ برس کی تھی وہ آگے بڑھے اور انہوں نے کہا۔ میں آپؐ کی مدد کروں گا۔ تو ایسے وقت میں ان کی یہ جرأت اور یہ دلیری خود اپنی ذات میں ایسی چیز تھی جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ان کی محبت کے جذبات پیدا کرتی اور انہیں عزیز بناتی تھی۔

علاوہ اس کے وہ ابو طالب کے لڑکے تھے اور ابو طالب وہ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہر طرح سے خدمت کی اور آپ کو آرام پہنچانے میں ہر طرح کی کوشش اور سعی کی[۱۱]۔ یہ اور بات ہے
کہ خواہ کوئی کتنی ہی محبت کرے اور آرام پہنچانے کی کوشش کرے، بچہ وہ آرام اور لذت حاصل
نہیں کر سکتا جو ماں باپ کی محبت اور سلوک سے حاصل کرتا ہے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ
ابو طالب نے اتنے لمبے عرصہ تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہے کہ کوئی بڑا
ہی وفادار دوست اتنے لمبے عرصہ تک تکلیفوں میں ساتھ دے سکتا ہے۔ اگرچہ وہ آپؐ پر ایمان
نہ لائے مگر کفار کے بائیکاٹ کے تین سال بھوکوں اور فاقوں میں کاٹنے انہوں نے منظور کئے[۱۲]
مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ قوم کے لوگوں نے ان سے
آکر کہا کہ ہم تم کو بہتر سے بہتر نوجوان دیتے ہیں اس کو تم پال لو مگر اپنے اس بھتیجے کا ساتھ چھوڑ دو
جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ او نادانو! کیا تمہاری یہ مرضی ہے کہ اپنے بچے کو تو میں دشمنوں کے
آگے ڈال دوں اور تمہارے بچے لے کر پالوں[۱۳]۔ پس بوجہ اس کے کہ حضرت علیؓ ابو طالب جیسے
محسن چچا کے بیٹے تھے آپؐ کو وہ بہت عزیز تھے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض اس
لئے ہی اپنے نواسوں سے محبت نہ تھی کہ وہ آپ کے نواسے تھے بلکہ اس لئے بھی آپؐ کو ان سے
بہت زیادہ محبت تھی کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بیٹے تھے۔

مگر باوجود اس محبت کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خیال نہ فرمایا کہ انہیں
بچپن میں آداب سکھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ جب بڑے ہوں گے تو خود ان کی اصلاح ہو جائیگی
بلکہ بچپن میں اس بات کا خیال رکھا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؐ کے پاس صدقے کی کچھ کھجوریں
آئیں۔ ان میں سے ایک کھجور امام حسینؓ نے اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر خاموشی
اختیار نہ کی اور صرف اتنا ہی نہ کیا کہ کھجور ان کے منہ سے نکلوا دی۔ بلکہ ان کے منہ میں انگلی
ڈال کر کھجور کے چھوٹے چھوٹے ذرات بھی نکال دیئے[۱۴]۔ میں سمجھتا ہوں آج اگر کوئی شخص ایسا
معاملہ اپنے بچے سے کرے تو کئی لوگ ہوں گے جو کہدیں گے۔ جی بچہ تھا۔ ایک کھجور منہ میں ڈال
لی تو کیا حرج ہوگیا۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نواسے کے منہ میں
انگلی ڈال کر کھجور کے ذرے نکالے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؓ روتے اور
ضد کرتے ہوں گے۔ مگر آپؐ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کے منہ میں انگلی ڈال کر
کھجور کے ذرات تک نکال ڈالے۔ اور یہ تھپڑ مارنے سے کم نہیں ہے۔ پھر ان کی اسی عمر کا واقعہ
معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آگے سے کھانا نہیں کھا رہے تھے۔ جس پر آپؐ نے فرمایا۔ اپنے آگے
سے لو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ کُلْ بِيَمِيْنِكَ وَ مِمَّا يَلِيْكَ[۱۵] یہ اڑھائی برس کی عمر
کی تربیت کا واقعہ ہے۔ جس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ کس عمر سے بچے کی تربیت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اڑھائی برس کی عمر میں اپنے نواسے کی تربیت کی ہے اور اس کی حرکات کی نگرانی کی ہے تو کیا ہمارے زمانے بچے ہیں کہ ان کی نگرانی نہ کی جائے اور یہ کہکر چھوڑ دیا جائے کہ بچہ ہے ناسمجھ ہے بڑا ہو کر سمجھ جائے گا۔ اگر یہ عمر سمجھنے کی نہ ہوتی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے نواسے کے متعلق ایسا ہی کہہ دیتے۔ مگر آپؐ نے اس کو لوٹکا اور اس کی حرکت کو نظر انداز نہیں کیا۔

یہ کہہ دینے کے (کہ بچہ بڑا ہو کر خود سمجھ جائے گا) یہ معنے ہیں کہ اس بہانہ سے ہم اپنی اولاد کی تربیت اور اس کے اخلاق کی نگرانی نہیں کرنا چاہتے۔ اور اس بات کو اپنی بے جا محبت کی وجہ سے اس کے لئے تکلیف دہ خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی کوئی قوم بھی اگر اپنی اولاد کی تربیت اور اخلاق کی درستی کا خیال نہیں رکھتی تو وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یورپ کے لوگوں نے اس گُر کو خوب سمجھا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر ہم اولاد کی تربیت اور اخلاق کی نگرانی نہ کریں گے تو ہماری قومی زندگی اور قومی ترقی بحال نہیں رہ سکتی۔ ان کے چھوٹے بچے ماؤں کے ساتھ گرجوں میں جاتے ہیں لیکن کیا مجال کہ وہ وہاں اونچی آواز نکالیں۔ عبادت گاہوں کا ایسا احترام ان کے دلوں میں بٹھایا ہوتا ہے کہ وہ ذرا شور و غل نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی بچہ شور کرے تو ماں باپ فوراً اسے وہاں سے لے جاتے اور اس طرح تنبیہہ کرتے ہیں کہ پھر وہ شور نہ کرے۔ مگر یہاں کئی لوگ ہیں جو بچوں کو مسجدوں میں لے آتے ہیں اور بچے دوران نماز شور مچاتے رہتے ہیں۔ مسجد مبارک میں تو بچوں کو لانے سے مَیں نے روکا ہوا ہے۔ دارالفضل کی مسجد میں جب ایسے لوگوں کو منع کیا گیا تو انہوں نے بُرا منایا اور کہدیا کہ وہ بچے ہیں بڑے ہو کر خود سمجھ جائینگے مگر یہ تربیت اولاد کے لئے نہایت مضرات ہے۔

آپ لوگ اپنے ارد گرد اور آس پاس کی قوموں کو دیکھیں کہ وہ اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اپنی اولاد کی تربیت کا کس قدر خیال رکھتے ہیں۔ یورپ میں مَیں نے دیکھا جو لوگ ہمیں ملنے کے لئے آتے۔ ان کے بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے۔ لیکن ذرا کسی بچے نے رونی صورت بنائی اور وہ گھبرا گئے۔ ذرا دیکھا کہ بچہ گھبرا گیا ہے اور رونے یا آواز نکالنے لگا ہے تو وہ جھٹ اس کو مجلس سے اٹھا کر لے جاتے۔ بعض دفعہ ہم نے کہا بھی کوئی حرج نہیں ٹھہریں۔ مگر انہوں نے کہا۔ بچہ آواز نکالے گا جس سے دوسرے بُرا منائیں گے اور ان کو تکلیف ہوگی۔ ایک دفعہ ہم چھتری دیکھنے کے لئے گئے جو ہندوستانی سپاہیوں کی یادگار میں وہاں بنائی گئی تھی۔ سمندر کے کنارے چار پانچ ہزار آدمی جمع تھے۔ اور ہزار بارہ سو لڑکے لڑکیاں ہوں گے مگر بالکل خموشی کا عالم تھا۔ کوئی بات بھی کرتا تو آہستہ سے۔ لیکن ہمارے ہاں معمولی اجتماع میں بھی ایک شور برپا

ہوتا ہے۔ آج ہی دیکھ لو۔ اس اجتماع کے موقعہ پر کس قدر شور ہو رہا ہے۔ ادھر میرا خطبہ ہو رہا ہے اُدھر ان بچوں کے خطبے ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے ماں باپ بھی یہاں موجود ہیں۔ مگر ان کو اس بات کا کوئی خیال نہیں تو یہ تربیت میں غفلت اور کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ خطبہ سے پہلے میں نے کہا بھی تھا کہ جو مائیں اپنے بچوں کو چپ نہیں کرا سکتیں وہ اپنے بچوں کو لیکر چلی جائیں تا دوسرے لوگ آرام سے خطبہ سُن سکیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مساجد میں بچوں کو نماز کے لئے لے جاؤ تو پیچھے کھڑا کرو۔ مگر بعض ماں باپ خود انگلی پکڑ کر بچے کو اپنے ساتھ صف میں کھڑا کر لیتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی وجہ یہی ہے کہ آخر بچہ بچہ ہی ہے وہ بے چینی اور گھبراہٹ اور بچپن کی حرکات کا اظہار کرے گا اور اس طرح بڑوں کی نماز میں بدمزگی اور خلل واقعہ ہوگا۔ پھر اس حکم کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ان کے اندر تربیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ابھی ہم سیکھ رہے ہیں۔ اور جب تک سیکھ نہ لیں ہمارا حق نہیں کہ آگے کھڑے ہوں۔

پس جب تک بچپن میں تربیت کامل نہ ہو آئندہ نسل اخلاق فاضلہ نہیں سیکھ سکتی اور نہ وہ دین اسلام اور احمدیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ بچوں کو بچپن میں ہی خدا کے متعلق، رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفۂ وقت کے متعلق کچھ کچھ واقفیت کرانی چاہیئے۔ سلسلہ کے نظام کا مختصر سا نقشہ ان کے ذہنوں میں قائم کرنا چاہیئے۔ یہ مت سمجھو کہ بچے سمجھتے نہیں۔ وہ بات کو خوب سمجھتے ہیں۔ پچھلے دنوں ہم دریا پر گئے۔ ایک مہمان عورت کی لڑکی میرے پاس آئی۔ اس کی باتیں بہت پیاری معلوم دیتی تھیں۔ اور بعض دفعہ بہت سنجیدگی سے وہ باتیں کرتی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا ——— تم کس کی بندی ہو؟ کہنے لگی میں خدا کی بندی ہوں۔ پھر میں نے پوچھا۔ مرید کس کی ہو؟ جواب دیا خدا کی۔ میرا لڑکی امۃ العزیز یہ سُنکر ہنس پڑی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تم کیوں ہنسی ہو۔ کہنے لگی۔ یہ کہتی ہے میں مرید خدا کی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا۔ بتاؤ تم کس کی مرید ہو۔ تو اس نے بڑے زور سے کہا۔ میں ابا جان کی۔ چونکہ اس کے کان میں یہ بات پڑتی رہی ہے اس لئے وہ اس لڑکی سے یہ سُنکر کہ میں خدا کی مرید ہوں سمجھ گئی کہ اس نے غلط کہا ہے۔ تو یہ بات صحیح نہیں کہ بچہ سمجھ نہیں سکتا جس قسم کی بات بچے کے کان میں ڈالی جائے، وہ اپنی استعداد کے مطابق سمجھ سکتا اور سیکھ سکتا ہے۔ اگر اس کے ذہن میں دین کی، سلسلہ کی مختصر باتیں ڈالی جائیں تو بچہ ان کو اپنے ذہن میں قائم رکھ سکتا ہے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ تم اگر بچپن میں بچے کی تربیت نہیں کرتے صرف اس خیال سے کہ تم نیک ہو اور وہ بھی نیک ہو جائیں گے۔ تو اس طرح تم اپنے فرض سے سبکدوش

نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم اپنے اہل کے ذمہ دار ہو۔[19] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ[1] کہ ہر ایک تم میں سے راعی اور بادشاہ ہے اور وہ اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ بچپن میں تربیت صحیح کے بغیر بڑے ہو کر ان کی اصلاح کی امید رکھنا سخت غلطی ہے۔ دین کی درستی اور اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ظاہری اخلاق درست ہوں۔ اگر بچپن میں ان کے دل میں مقامات مقدسہ کا احترام نہیں اور وہ ایسے مقامات پر شور اور شر کرتے ہیں۔ اور ماں باپ ان کو ایسی حرکت سے نہیں روکتے۔ تو وہ اس بات کے لئے ان کو تیار کر رہے ہیں کہ بڑے ہو کر دینی امور میں وہ تمسخر اور استہزاء سے کام لیں۔ اور ان کے دلوں میں شعائر دین کی کچھ عزت و وقعت نہ رہے۔ پس میں آپ کو اس قسم کی تربیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں تا کہ دشمن بھی یہ سمجھے کہ یہ قوم ایسے اعلیٰ اخلاق کو پہنچ گئی ہے کہ کبھی ہلاک نہیں ہو سکتی۔

غرض یہ عید ہمیں یہ سبق سکھلاتی ہے کہ اگر ہم اپنی اولاد کو صحیح معنوں میں قربان کریں تو ہماری اولاد اتنی بڑھے گی جتنے آسمان کے ستارے۔ پس اگر کوئی سچی محبت خدا اور رسولؐ سے رکھتا، اور اگر اس کو اسلام اور سلسلہ احمدیہ سے بلکہ اگر اس کو انسانیت سے بھی کچھ انس ہے تو بچپن میں اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرے۔ جہاں آپ اپنے نفسوں کو لالچ، طمع، حرص، چوری اور جھوٹ جیسی بداخلاقیوں سے بچاؤ وہاں بچوں کو بھی ان کا عادی نہ ہونے دو اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو۔ دین کی اور سلسلہ کی محبت ان کے دلوں میں پیدا کرو۔ ان سے بے جا محبت کر کے اعلیٰ اخلاق کے سیکھنے سے ان کو محروم نہ رکھو تا دوسروں کے لئے نمونہ بنیں بلکہ دنیا میں ایک بڑی قوم اور نسل بنیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جو فرمایا کہ خدا کی بادشاہت میں بچے داخل ہو سکتے ہیں[20] اس کے یہ معنے ہیں کہ کوئی قوم آئندہ زندہ نہیں رہ سکتی جب تک کہ وہ اپنی اولاد کی بچپن میں تربیت کی فکر نہیں کرتی۔ پس بچپن میں اپنی اولاد کے اخلاق کی درستی اور اصلاح کرو۔ تا تم کو دائمی عید نصیب ہو ورنہ اچھے اچھے کپڑے بچوں کو پہنا دینا کوئی خوشی کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو احسن طریق سے پورا کریں۔

(الفضل ۲۱ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۵ تا ۸)

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب کم سن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم قبض۔

۲؎ - ابراہیم ۱۴ : ۳۸ - صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی

۳؎ - پیدائش باب ۱۵ آیت ۵۵ باب ۱۶ آیت ۱۰

۴؎ - پیدائش باب ۲۱ آیت ۲۰-۲۱ - صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی

۵؎ - طبقات ابن سعد ۷۶/۱ زرقانی ۱۰۹/۱ زاد المعاد ۱۹/۱

۶؎ - حضرت آمنہ کی وفات کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۶ سال تھی۔ (السیرۃ الامام ابن ہشام ۵۹/۱ طبقات ابن سعد ۷۳/۱ السیرۃ الحلبیہ ۱۱۷/۱

۷؎ - زاد المعاد ۱۹/۱ - طبقات ابن سعد ۷۴/۱ - السیرۃ الحلبیہ ۱۲۵/۱

۸؎ - السیرۃ الامام ابن ہشام ۶۱/۱ - طبقات ابن سعد ۷۵/۱

۹؎ - نور الیقین فی سیرۃ خیر المرسلین از محمد خضری ص۱۳ - السیرۃ الحلبیہ ۱۲۹/۱

۱۰؎ - تاریخ طبری ۳۲۰-۳۲۱/۱ مطبوعہ مصر

۱۱؎ - السیرۃ الحلبیہ ۱۲۵/۱

۱۲؎ - طبقات ابن سعد ۱۴۰/۱ - السیرۃ الحلبیہ ۳۷۶/۱

۱۳؎ - تاریخ طبری ۳۲۴/۳ - طبقات ابن سعد ۱۳۴/۱

۱۴؎ - غالباً سہو کتابت سے حسینؓ لکھا گیا ہے - یہ واقعہ حضرت حسنؓ کا ہے۔ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ - صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ وعلی آلہ -

۱۵؎ - صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین و باب الاکل مما یلیہ - صحیح مسلم باب آداب الطعام - (یہ واقعہ حضرت امام حسنؓ یا حسینؓ کی بجائے حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ کا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہؓ کے پہلے خاوند سے لڑکے تھے اور بخاری کی حدیث کے یہی راوی ہیں ; جب حضرت ام سلمہؓ کا نکاح ہوا ہے تو یہ چھوٹے بچے تھے اور انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ پرورش پائی تھی (کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۱۲۳۵/۵)

۱۶؎ - یہ چھتری برائٹن کے مقام پر سمندر کے کنارے ۲۰×۲۰ فٹ کے رقبہ میں ہندوستانی طرز تعمیر پر بنی ہوئی ہے اس کا گنبد ۸ فٹ قطر کا اور بلندی ۲۹ فٹ ہے (الفضل ۲۷ ۱۱/۱۹۲۲) ریویو آف ریلیجنز (... ۱۹۲۲ء)

۱۷؎ - سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الصبیان فی الصف

۱۸؎ - حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بیگم محترم صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

۱۹؎ - قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا - (التحریم ۶۶ : ۷)

۲۰؎ - صحیح بخاری کتاب الاستقراض باب العبد راعٍ فی مال سیدہٖ -

۲۱؎ - متی باب ۱۹ آیت ۱۴